

حمید اللہ ذوالقرنین  
ڈاکٹر تنظیم الفردوس

## شمس بریلوی کی تخلیقات کا ادبی مقام

### Literary value of Shams Barelvi's Urdu writings

By Hameedullah Zulqarnain, Research scholar, Department of Urdu, University of Karachi.

Dr. Tanzeem ul Firdous, Chairperson, Department of Urdu, University of Karachi.

### ABSTRACT

The services of Scholars and Sufis were recognized later in the history of literature but now it is admitted at all the levels that the services of Scholars and Sufis are priceless in the history of Urdu Literature. Many people has dedicated their life for the betterment of literature in a specific society. Islamic Literature is also an integral part of Urdu literature. Shams Barelvi is also counted among such companions of Urdu literature. In this regard, his research work on poetry and prose has sought to promote Urdu's traditional dimensions in the changing literary landscape of the twentieth century. Shams Brailvy died in 1997. He has followed the tradition based on Maulvi Abdul Haq. In addition, he expanded the scope of translatin by translating valuable scholarly books directly from Arabic and Persian. His writings, translations, and footnotes can be gauged from the fact that he wrote treatises on various literary, critical, and research works.

**Keywords:** Sufi's tradition, Literary heritage, Islamic literature, Contribution of Sufis, Translation

(۱) علامہ شمس الحسن شمس بریلوی ۱۹۱۹ء میں بھارت کے صوبے اتر پردیش کے شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔  
آپ کا خاندان شعبہ تدریس سے وابستہ تھا۔ آپ کے والد بھی استاد تھے۔ علامہ شمس بریلوی نے اپنی ابتدائی تعلیم

ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو، کراچی یونیورسٹی  
صدر نشیں، شعبہ اردو، کراچی یونیورسٹی

مولانا کے قائم کردہ مدرسہ منظر اسلام، بریلوی شریف سے ہی حاصل کی اس وقت ان کے ساتھ آج کے بہت بڑے بڑے علما اور شیخ الحدیث جن کا مذہبی حوالہ سے نام مستند ہے مثلاً مولانا امجد علی اعظمی، مولوی سردار احمد، مولوی وقار الدین، حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری صاحبان ان کے ساتھی تھے۔

علامہ شمس بریلوی اس دارالعلوم سے ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۴ء شعبہ فارسی سے منسلک رہے بلکہ آخری دور میں آپ اس شعبہ کے صدر مدرس بھی رہے۔ اس کے بعد ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۲ء آپ اسلامیہ انٹر کالج، بریلی سے منسلک رہے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

اپریل ۱۹۵۲ء میں علامہ شمس بریلوی بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے اور محکمہ تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ انھوں نے ایئر پورٹ ہائی اسکول میں بطور مدرس تدریس کا آغاز کیا<sup>(۲)</sup>۔

جولائی ۱۹۵۲ء میں آپ کی تقرری مدرسہ ہذا میں ہوئی اور مسلسل تین سال خدمات انجام دیں۔ ۱۹۷۵ء میں ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ آپ تادم مرگ پٹن وصول کرتے رہے۔ کراچی میں آپ کو وسیع علمی و ادبی فضا میسر آئی۔ آپ پہلے ادیب ہی تھے اور پیشہ ور معلم بھی۔ چنانچہ کراچی کی علمی و ادبی فضا نے اس کو چار چاند لگا دیے۔ علامہ شمس بریلوی ابھی کم سن ہی تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ۱۹۳۶ء میں آپ کی شادی سکندر بیگم دختر عبدالسعید خاں سے ہوئی۔ شادی کے تقریباً ایک سال بعد ۱۹۳۷ء میں آپ کے والد ماجد جناب ابوالحسن صدیقی کا انتقال ہو گیا۔ تمام ترامور کی ذمہ داریاں ان پر آن پڑیں۔ سکندر بیگم سے علامہ شمس بریلوی کے تین بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ آپ کی اہلیہ کا انتقال ۱۹۹۳ء میں ہوا۔ آپ کے دونوں بھائی عین جوانی میں پچیس اور چھبیس سال کی عمر میں فوت ہوئے جن کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔

علامہ شمس بریلوی تصنیف و تالیف کے سلسلے میں ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی سے منسلک ہو گئے اور بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ بھارت میں تھے تو علی گڑھ ایجوکیشنل بک ڈپو سے آپ کا تعلق تھا پھر نول کشور پریس سے منسلک رہے اور آخر میں انوار بک ڈپو، لکھنؤ سے وابستہ ہوئے۔ کراچی قیام کے دوران میں ایچ ایم سعید کمپنی اور مدینہ پبلشنگ کمپنی سے وابستہ رہے۔ محراب ادب اور دائرۃ المصنفین سے بھی آپ کا تصنیف و تالیف کا تعلق رہا۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی کے بھی تاحیات صدر رہے۔ ”نوائے وقت“، ”جسارت“ اور ”جرأت“ جیسے اخباروں سے بھی منسلک رہے۔ ان میں بھی آپ کی تحریریں چھپتی رہی ہیں۔ آپ کی سیرت پر کتاب سرور کوئین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت کے بارے میں آپ کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا۔ روزنامہ ”حریت“ نے بھی جب آپ کو ۲۵۰۰۰ روپے انعام ملا تو اس کے بارے میں صفحہ اول پر خبر لگائی۔ سابق صدر پاکستان جناب ضیاء الحق

نے بھی آپ کو صدارتی انعام سے نوازا۔ آپ کی ادبی خدمات کے سلسلے میں ملک کے طول و عرض سے آپ کو اداروں، ادا اور مصنفین و ناقدین نے خطوط لکھے۔ اس دور میں موبائل اور انٹرنیٹ کی سہولت اتنی عام نہ تھی، اس لیے خط کا رواج تھا۔ چند اصحاب اور اداروں کے نام درج ہیں:

۱۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی۔

۲۔ پاکستان نعت اکیڈمی، کراچی

۳۔ سفارت جمہوری ایران، کراچی

۴۔ حکیم محمد سعید، ہمدرد منزل، کراچی

۵۔ اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد

۶۔ ڈاکٹر وحید قریشی، نامور محقق و نقاد

۷۔ عاشر حسین، وزارت مذہبی امور، پاکستان

۸۔ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد، سابق پرنسپل ڈگری کالج، سکھر

۹۔ پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتح پوری، سابق صدر شعبہ اردو، جامعہ کراچی

۱۰۔ پروفیسر انور مقبول سحر انصاری، معروف نقاد

۱۱۔ پروفیسر جمیل اختر خان، سابق صدر شعبہ اردو، جامعہ کراچی

۱۲۔ پروفیسر ڈاکٹر ثناء احمد، سابق صدر شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی

۱۳۔ پروفیسر امتیاز احمد سعید، وزارت مذہبی امور، اسلام آباد

۱۴۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ادارہ نصاب سازی، کوئٹہ

۱۵۔ پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش، سابق صدر شعبہ اردو، عبداللطیف کالج، میرپور

۱۶۔ محمد ابراہیم خوشتر رضوی، سنی رضوی سوسائٹی ٹرسٹ، پاکستان۔

علامہ شمس بریلوی کے شاعری میں استاد مولانا قاسم علی خواہاں بریلوی تھے اور شاعری میں آپ کے شاگرد سیکڑوں تھے لیکن ان میں سے جو چند نمایاں تھے میں ان کا ذکر یہاں لازمی ہے۔

۱۔ مرزا راحت بیگ ظفر

۲۔ حافظ انعام اللہ تسنیم

۳۔ ڈاکٹر ماما پرشاد ذبیح

۴۔ پروفیسر عروج بریلوی

۵۔ سید اسماعیل رضا ذبیح

۶۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری

علامہ شمس بریلوی بھی اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ان کے علمی اور تحقیقی کارنامے اپنی نوعیت، مزاج اور منہاج میں ایک روایت ہیں۔ علامہ شمس بریلوی کی تصانیف متنوع اور کثیر الجہات ہیں۔ علامہ شمس بریلوی کی بطور ادیب و انشا پرداز زندگی ایک طویل دور کا احاطہ کرتی ہے۔ ان کی تصنیفی زندگی تقریباً نصف صدی سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اس سارے دور میں آپ ایک زبردست معلم تھے۔ علامہ شمس بریلوی نے تصنیف و تالیف اس لیے اختیار نہیں کی کہ یہ ذریعہ معاش تھا۔ راقم الحروف اس چیز سے انکار قطعاً نہیں کرتا کہ علامہ شمس بریلوی نے اپنی تصانیف سے معاشی مفادات حاصل کیے ہوں گے لیکن وہ ثانوی مقصد تھا، اصل مقصد ان کے اپنے تحقیقی و علمی شوق کی تکمیل تھی اور یہ آپ کا خاندانی پیشہ تھا کیوں کہ آپ روہیل کھنڈ کے علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ اس لیے تصنیف و تالیف ایک مشغلہ نہیں بلکہ یہ آپ کا خاندانی، علمی اور مذہبی فریضہ تھا۔ علامہ شمس بریلوی نے اپنی تصنیفی زندگی میں بنیادی مذہبی کتب کے تراجم بھی کیے ہیں، ان پر مقدمات و حواشی بھی لکھے ہیں۔ انھوں نے آزادانہ تصنیفی کارنامے بھی سرانجام دیے ہیں۔ ان کی علمی وسعت اور ادبی موزونیت کا اندازہ لگانا ذرا بھی مشکل نہیں۔ ایک طرف تو وہ ہماری علمی روایات کو ”گلستانِ سعدی“ اور ”بوستانِ سعدی“ کے تراجم و حواشی سے آگے بڑھا رہے ہیں۔ دوسری طرف ”دیوانِ حافظ“ کی حواشی کے ساتھ شرح بھی لکھ رہے ہیں۔ حضرت عبدالحق محدث دہلوی کی ”مدارج النبوۃ“ کا ترجمہ بھی کیا اور ساتھ مقدمہ بھی لکھا۔ آپ نے ”انشائے ابوالفضل“ کا بھی ترجمہ لکھا۔ اس کے علاوہ ”تاریخ الخلفاء“ کا ترجمہ مع مقدمہ، ”غنیۃ الطالبین“ کا ترجمہ اور مقدمہ، شہاب الدین سہروردی کی ”عوارف المعارف“ اور عبد الرحمن جامی کی ”نہجۃ الانس“ کے تراجم اور مقدمات، ادب، تاریخ، مذہب اور علوم اسلامی کے دیگر مباحث اور موضوعات بھی ان کی پہنچ سے دور نہیں۔ حضرت داتا گنج بخش کی مشہور زمانہ تصنیف ”کشف المحجوب“ کے مقدمے کے علاوہ ”مکاشفۃ القلوب“، ”مدارج النبوۃ“، ”نوائد الفوائد“، ”مقامات صوفیہ“ اور مشہور تاریخی کتاب ”ماثر الکرم“ پر ان کے گراں قدر اور سیر حاصل تبصرے اور مقدمے اس علمی جہت کی ایک اور کڑی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ان کی مشہور زمانہ کتاب ”اورنگ زیب خطوط کے آئینہ میں“ ان کی تاریخ سے واقفیت اور خوب صورت اسلوبِ بیاں کا مرقع ہے۔ ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں ادارہ مصنفین پاکستان، رائٹرز گلڈ ادبی

انعام بھی دیا گیا۔ ”کلیاتِ جامی“ پر مقدمہ بھی ان کے علمی کارناموں میں سے ایک ہے۔ دورِ جدید میں تو ادبی انعام بھی انھیں ملتا ہے۔ جن کا حلقہٴ احباب وسیع ہو اور ان کا گروپ مضبوط ہو لیکن ایک دور تھا کہ علمی کاوشیں ہی معیار ہوتی تھیں، اس دور میں کوئی لابی نہیں ہوتی تھی، اس دور میں علامہ شمس بریلوی کی تین کتب کو ادبی انعامات سے نوازا گیا۔

۱۔ ”اورنگ زیب خطوط کے آئینہ میں“ (رائٹرز گلڈ پاکستان نے اول ادبی انعام دیا) اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے کے نصاب میں شامل رہی ہے۔ یہ کتاب دراصل اورنگ زیب کے فارسی خطوط کا مجموعہ ہے اور انھی خطوط سے ہی اس کی زندگی کے بارے میں معلومات اکٹھی کی گئی ہیں۔

۲۔ ترجمہ ”تاریخ الخلفاء“، للسیوطی بمعہ مقدمہ (رائٹرز گلڈ نے اول ادبی انعام دیا) اس کتاب میں خلافتِ راشدہ سے عہدِ متوکل تک صرف علومِ اسلامی کی ترقی کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ ”سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت“ ۲۴ نومبر ۱۹۸۶ء میں اسلام آباد میں وزارتِ مذہبی امور کے تحت ۹۹۳ سیرت کی کتب میں ان کی یہ کتاب پہلے نمبر پر آئی۔ قابلِ قدر خدمت اور لائقِ تحسین کام پر فہرستِ مشاہیر میں بھی نام درج کیا جاتا ہے۔ علامہ شمس بریلوی کا نام بھی ان قابلِ قدر اداروں میں مرقوم ہے۔ چند کا ذکر مناسب ہوگا:

۱۔ اکادمی ادبیات پاکستان

۲۔ تذکرہ مصنفین اہل سنت

۳۔ نیشنل بک سنٹر، اسلام آباد

۴۔ ڈائریکٹری مصنفین پاکستان

علامہ شمس بریلوی کی کتاب ”سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت“ سیرت کی کتب میں بہت بڑا اضافہ ہے۔ اس کتاب کے اسلوب، فن اور فکری محاسن کو حلقہٴ اربابِ کمال نے کھل کر تسلیم کیا ہے۔ تحقیقاتِ رضا میں ان کا نام ایک سند کا درجہ رکھتا ہے۔

آپ نے ”کلام رضا کا تحقیقی اور ادبی جائزہ“ جیسی مستند تحقیقی و تنقیدی کتاب لکھی ہے جس سے علامہ شمس بریلوی کی اردو ادبیات اور خصوصاً اردو شاعری کے اسالیب اظہار، اس کے تشبیہاتی، استعاراتی نظام اور علوم بلاغت زبان و بیان کے اسرار و رموز پر گہری نظر اور ان کی عالمانہ دسترس کا اظہار ہوتا ہے۔ ”لمعات خواجہ“ کا ترجمہ اور اس کتاب پر مقدمہ اور خاص طور پر مصنف کے حالات زندگی اور ان کے عہد کے سیاسی و معاشی حالات پر ایک گراں قدر مقدمہ بھی علامہ شمس بریلوی کی بصیرت اور بصارت اور ان کی مذہب سے محبت کی دلیل ہے۔ علامہ موصوف کی دلچسپیوں کا دائرہ صرف مذہب، تاریخ، تصوف اور ادب تک محدود نہیں بلکہ آپ نے، نفسیات کے زاویے، بچوں کی تربیت اور تہذیب خانہ داری جیسی درسی کتب بھی تصنیف کیں۔ ”لغات سعیدی“ علم اللسان سے آپ کی دلچسپی اور اس میں مہارت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ تصوف یا مذہب ہی آپ کی تحریر کی خوبی اور اسلوب فکر نہ تھا بلکہ آپ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔

طلبہ کے لیے آپ کی خدمات میں سے اردو کمپوزیشن کے حوالے سے دو کتب، سعیدی اردو کمپوزیشن حصہ اول و دوم اس دور کی اردو کمپوزیشن کی ضرورت کے حوالے سے مکمل کتب کا درجہ رکھتی ہیں۔

ایک اچھا محقق، ایک اچھا نقاد بھی ہوتا ہے۔ فن تحقیق و تنقید علامہ شمس بریلوی کے مرغوب شعبے ہیں۔ علامہ شمس بریلوی نے زبان و ادب کے حوالے سے ادبی مضامین پر مشتمل ایک مجموعہ شائع کیا جس کا عنوان انھوں نے تنقیدی شہ پارے رکھا۔ اس میں علامہ شمس بریلوی کی شخصیت بطور نقاد جلوہ گر ہے، اس میں روایتی انداز تحقیق و تنقید کو اختیار کیا ہے۔

میر حسن کی مثنوی ”سحرالبیان“ اردو شاعری میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔ بیسویں صدی میں جدید نظریات تنقید کے حوالے سے بھی اس پر گفتگو ہوتی رہی ہے اور کلاسیکی انداز فکر کے ساتھ مغربی تنقیدی نظریات میں بھی اس پر اظہار خیال ہوتا رہا ہے۔

مجنوں گورکھ پوری، پرویز آسی، پروفیسر احتشام حسین اور ڈاکٹر گیان چند جین نے بھی اس مثنوی پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن علامہ شمس صاحب کا انداز ان سب سے جدا اور ممتاز ہے۔ علامہ شمس بریلوی نے اس کے متن کی ترتیب کے ساتھ ایک مدلل اور بسیط مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔ ان کی یہ کاوش نول کشور پریس، لکھنؤ سے شائع ہونے کے بعد مختلف چھوٹی بڑی اردو کی درس گاہوں کے نصاب میں شامل رہی ہے۔ آج بھی اس دور جدید میں اس مثنوی کے مقدمے کی اہمیت ثقہ ہے اور حوالہ جات کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ مثنوی پر مقدمہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس کا آغاز اردو مثنوی نگاری کی تاریخ اور روایت سے شروع کیا۔ مثنوی کے ضروری لوازمات کا ذکر

کرتے ہوئے اس کے فنی مباحث پر بات کرتے ہیں، اسلوبِ بیاں کے گوہر بکھیرتے ہیں کہ قاری کی توجہ مثنوی سے زیادہ ان کے فن اور اسلوبِ بیاں کی طرف ہی مبذول رہتی ہے۔ اس طرح یہاں علامہ شمس بریلوی نے کلاسیکی تنقید کا حق ادا کر دیا ہے۔

مغرب کے تنقیدی رویوں اور مباحث کے زیرِ اثر اردو تنقید نے بیسویں صدی میں ارتقائی سفر بڑی ہی تیزی سے طے کیا ہے۔ مغرب کے ادبی نظریات، فلسفیانہ رویوں اور سماجی فلسفوں نے ہماری تنقید کو رنگا رنگی بھی عطا کی ہے اور وزن و وقار بھی بخشا ہے، اس اندازِ نظر کے تناظر میں بیانیہ شاعری اور خصوصاً مثنوی جسے اب منظوم داستان بھی کہتے ہیں۔ اس کی تنقید کے آداب بھی بدلے ہیں اور رنگ و آہنگ بھی بدلا ہے۔ لیکن علامہ شمس بریلوی کا انداز کلاسیکی ثقہ، مستند اور افراط و تفریط سے پاک ہے۔

کسی کتاب کی شرح خواہ وہ کتاب کسی بھی متن سے متعلقہ ہو، اس کی شرح اس متن سے زیادہ ہوتی ہے یعنی اس کی ضخامت اصل متن سے زیادہ ہوتی ہے۔ شرح میں شارح کی کوشش ہوتی ہے کہ اصل متن کی اس صورت میں تشریح کرے کہ کوئی بھی نقطہ ایسا نہ رہ جائے جو صل طلب ہو یا قاری کی نظریا فراست اس مقام پر رک جائے۔ اگر متن میں اغلاط ہیں تو شارح ان کی نشان دہی کرے اور کچھ ایسا ہی معاملہ محشی کا بھی ہوتا ہے۔

کسی بھی کتاب پر حاشیہ لکھنا یا تعلیقات پیش کرنا اتنا آسان نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے، یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب محشی اتنا ہی صاحبِ بصیرت ہو اور اس کی نگاہ اتنی تیز اور سوچ و فکر اتنی ہی بلند ہو جو صاحبِ تصنیف کا وصف رہا ہو۔ اگر حاشیہ میں صاحبِ متن کا حاشیہ نگار نے تعاقب کیا ہے یا تخطیہ یا اس کے سہو و نسیان کی نشان دہی کی ہے تو انصاف شرط ہے، یوں آپ ہی بتائیں کہ محشی کے علم کی حدود کیا ہونی چاہیں۔

علامہ شمس بریلوی بھی اپنے اسلاف سے عقیدت رکھتے ہیں لیکن جب بات حواشی و تعلیقات کی آتی ہے تو بعض جگہ جہاں کوئی سقم نظر آتا ہے، اس کی صاف نشان دہی کرتے ہیں۔ علامہ شمس بریلوی خود فرماتے ہیں:

اپنے اسلاف کا خوب احترام کیا ہے اور ان بزرگوں کی عقیدت کشی پر مفتخر و

نازاں ہیں لیکن جب حواشی کی ہے تو علم و کمال کے تقاضوں کو پورا کیا ہے اور

ارادت و عقیدت کو ان تقاضوں کی ادائیگی کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیا۔<sup>(۳)</sup>

اسی طرح علامہ شمس بریلوی نے جب حواشی کے میدان میں قدم رکھا تو باوجود ان حضرات کے تقدم و احترام کے جو ان ہستیوں کا خاصہ تھا یا حق تھا۔ انھوں نے احترام کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جہاں بات حق گوئی کی آئی، وہاں انھوں نے صاف صاف بات کی ہے یعنی انھوں نے حق بات کو بیان کرنے میں کوئی جھجک

محسوس نہیں کی۔

آپ نے ادب کو اس طرح ملحوظ رکھا ہے کہ اپنے اختلاف کو فاضلین فن کے اقوال سے اور اس فن کی کتب کے حوالوں سے مزین کیا ہے۔ عقلی و نقلی دلائل سے اپنے قول کا استدلال پیش کیا ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ علامہ شمس بریلوی نے صرف اعتراضات پر ہی بات کی ہے یا صرف ان حضرات کے کام پر تنقید کی ہے بلکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ آپ حاشیہ نگاری میں کہیں قول ماتن کی تصریح فرماتے ہیں۔ جہاں قول ماتن کو شواہد و دلائل سے مستحکم و مزین کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو اس کے مطابق دلائل پیش کرتے ہیں۔

تعاقب صرف اس جگہ کرتے ہیں جہاں ماتن نے خطا کی ہے یا غلطی کی ہے آپ ایسے الفاظ سے نشان دہی کرتے ہیں اور ادب کی قدروں پر حرف بھی نہیں آنے دیتے۔

اس ساری بحث کا مطلب یہ ہوا کہ دنیائے علم و فضل کو معلوم ہو جائے کہ آفتاب علم و فضل حضرت علامہ شمس بریلوی کس درجہ کے شارح و محشی تھے اور انھوں نے کیسے بزرگوں کی کتب کے تراجم و شروح پیش کیں اور نقطہ ہائے فقہ اور اصول فقہ کو کس طرح روشن کیا۔ اور آپ کے تبحر علمی نے کیسی کیسی نقطہ آفرینیاں علوم دینی میں فرمائیں اور اکابر محدثین و فقہاء کے متون کی کس طرح تنقیح اور توضیح کی ہے اور آپ کے فکر رسا نے کن اچھوتے نکات کو منہج کیا ہے اور آپ کی نگاہ علمی نے کیسی کیسی گراں مایہ کتب کا جائزہ لیا ہے۔

حدیث، فقہ، اصول فقہ ان کی شروع اور ان کے حواشی تک آپ کی دسترس تھی۔ تیرہ سو سال تک جتنی بھی علوم اسلامیہ پر کتب تصنیف ہوئیں، زیادہ تر آپ کے علم میں تھیں چاہے وہ کتب علوم نقلیہ سے ہوں یا عقلیہ سے، وہ کتب تاریخ ہوں یا کتب طبقات، کتب جدل و خلاف ہو یا کتب حکمت و منطق ہر ایک پر آپ کی نظر اتنی گہری تھی کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کتاب آپ کے مطالعہ میں عرصہ دراز تک رہی ہو۔

علامہ شمس عربی ادب پر مذہب اور تاریخ کی طرح مکمل عبور رکھتے تھے جیسی دسترس انھیں اردو اور فارسی زبان پر تھی، ویسی ہی دسترس انھیں عربی زبان و ادب پر بھی تھی۔ آپ نے تصوف کی جن مشہور کتابوں کے تراجم کیے ہیں مثلاً ”غنیۃ الطالبین“، ”عوارف المعارف“، ”قلائد الجواہر“، ”تاریخ الخلفاء“ اس طرح اور بھی بہت سے رسائل وغیرہ ہیں جو اس دعوے کی دلیل ہیں۔ البتہ عربی زبان میں آپ کی کوئی طبع زاد تحقیق یا تصنیفی کتاب یادگار نہیں ہے۔ عربی شاعری میں آپ کا کلام موجود ہے۔ ”عوارف المعارف“ میں جہاں کوئی عربی شعر آیا آپ نے اس کا ترجمہ اردو زبان میں نثری حوالہ سے نہیں کیا بلکہ اس کو بھی اردو شعر میں ہی ترجمہ کیا ہے، ”عوارف المعارف“ کی تکمیل کی تاریخ بھی عربی اشعار میں ہی لکھی ہے۔<sup>(۳)</sup>

علامہ شمس بریلوی انگریزی زبان و ادب سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ علامہ صاحب کے حوالے سے مجھے ان کی انگریزی تصانیف کا کوئی حوالہ نہیں ملا، البتہ چاروں ثانوی ماخذات کے حوالے سے تین میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب سعودی عرب کے سفیر جناب شیخ فتانی اپنی ذمہ داریاں پوری کر کے واپس سعودیہ جا رہے تھے تو عابد صاحب نے علامہ شمس صاحب سے درخواست کی کہ میں نے ہوٹل میں ان کی واپسی کے بارے میں ایک پارٹی منعقد کی ہے، آپ نے نقابت کے فرائض انجام دینے ہیں، علامہ شمس بریلوی نے اسے قبول کیا اور اس پارٹی میں آپ نے شیخ صاحب کے بارے میں اردو، عربی اور فارسی کے علاوہ انگریزی میں بھی ایک Stanza پڑھا نمونہ کلام دیکھیں:

Oh! Good evening our beloved guest

Sheikh Al-Fatani, Gentle, Noble and best.<sup>(5)</sup>

اس انگریزی شعر کی بُنت اردو اور فارسی شاعری والی ہے لیکن الفاظ کا بہاؤ اور صوتی آہنگ بہتر ہے۔ حضرت شمس نے ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب سے انگریزی شاعری کے بارے میں فرمایا:

انگریزی زبان کی شاعری دیگر زبانوں کی شاعری سے آسان ہے کہ اس میں قافیہ حروف روی ماقبل روی کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ صوتی ہم آہنگی ضروری ہے۔ یہ سہولت اور کسی زبان میں نہیں ہے۔ دوسری آسانی یہ ہے اس میں مصرعوں کی طوالت کی یکسانیت نہیں۔ ایک طویل اور دوسرا کم طویل تو کوئی حرج نہیں<sup>(۶)</sup>۔

حضرت شمس کی تصانیف صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ بھارت میں بھی بڑے شوق سے پڑھی جاتی ہیں ظاہر ہے جب پڑھی جائیں گی تو پھر چھاپی بھی جائیں گی۔

۱۔ ”نحات الانس“، ”عوارف المعارف“ اور ”تاریخ الخلفاء“ کے تراجم دہلی کے مشہور اشاعتی ادارے حسنت بک ڈپو، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی نے شائع کیے ہیں۔

۲۔ ”غنیۃ الطالبین“ اور ”تاریخ الخلفاء“ ان دونوں کتابوں کے تراجم علی گڑھ ایجوکیشنل بک ہاؤس، بھارت سے شائع ہوئے۔

۳۔ ”کلام رضا کا تحقیقی جائزہ، پھپھونڈی، بھارت سے شائع ہوا۔ اخلاق و اطوار سے حضرت شمس بہت ہی سادہ مزاج اور مشرقی تہذیب کا بہترین پیکر تھے۔ سچ منہ پر کہنا اور دوسروں کی غیبت نہ کرنا ان کا شعار تھا۔ جب آپ کو ”اورنگ زیب خطوط کے آئینے میں“ کتاب لکھنے پر راسٹر گلڈ، پاکستان کی طرف سے ادبی انعام دیا گیا تو

غالب لائبریری، کراچی کی انتظامیہ نے پروفیسر سحر انصاری کے ذریعے مدعو کیا۔ آپ تشریف لے گئے، تقریب شروع ہوئی، احباب نے آپ کی خدمات کی تعریف کی۔ جب حضرت شمس کی باری آئی تو سحر انصاری صاحب نے دعوتِ کلام دیتے ہوئے کہا کہ شمس صاحب ایک گوشہ نشین آدمی ہیں۔ جب علامہ شمس بریلوی نے تقریر شروع کی تو فرمایا کہ میں گوشہ نشین کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں! میں واقعی گوشہ نشین ہوں۔ میں اخبارات میں اپنی تحریریں نہیں بھیجتا اور نہ ہی مشاعروں میں شرکت کرتا ہوں۔ یہ دو باتیں ہی ایک ادیب کے لیے ضروری ہیں بلکہ اس کی تشہیر کے لیے ضروری ہیں۔

پھر علامہ شمس بریلوی نے وضاحت کی کہ میرے پاس کار نہیں ہے اور پیدل مجھ سے چلا نہیں جاتا۔ مشاعرے کے بعد ناظم مشاعرہ شعرا کا شکریہ ادا کر کے چلا جاتا ہے۔ گلیوں کے کتے ہوتے ہیں اور شاعر صاحب۔ حاضرین یہ ہے میری گوشہ نشین کاراز! (۷)

علامہ شمس بریلوی کی طبیعت شعر و سخن کی طرف زیادہ مائل نہ تھی کیوں کہ علامہ شمس بریلوی کا زیادہ تر میلان نثر کی طرف تھا اور اندازِ فکر محققانہ تھا۔ صنفِ شاعری میں تحقیق کا حصہ کم بلکہ بہت کم ہے۔ آپ نے ذوقِ تحقیق و تدقیق اور کارِ تصنیف و تالیف کے مقابلے میں شعر گوئی کو اہمیت نہ دی بلکہ محض دوستوں کی مجلس سے لطف اندوز ہونے اور تقننِ طبع کے طور پر غزل گوئی کی اور دادِ تحسین وصول کی۔ اگر طبیعت مائل ہوئی تو کوئی غزل کہہ دی ورنہ مدتوں اس طرف کوئی دھیان نہ دیتے۔ شاعر کے بارے میں کہتے ہیں۔

اس کی نظر میں ہیں نہاں کونین کی نیرنگیاں

لبریز ہے میناے دل صہباے محسوسات سے (۸)

جس طرح اردو شعرا اور ادیبوں نے تحریک آزادی پاکستان کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد کے مظالم کے بارے میں اپنے اندازِ فکر سے بات کی ہے۔ علامہ شمس بریلوی کے اسلوب میں بھی وہی رنگ، وہی لہجہ وہی ادا، وہی خوبی اور ظلم کے خلاف وہ بغاوت، علامہ شمس بریلوی کے اشعار میں بھی موجود ہے۔ کچھ یہ بھی تھا کہ جب ۱۹۵۲ء میں ہجرت کر کے کراچی میں آئے تو اس وقت انھیں چند معاشی مسائل بھی درپیش تھے اور سماجی مسائل بھی تھے، اولاد اس وقت پڑھ رہی تھی۔ اس لیے اس وقت علامہ شمس بریلوی کی شاعری میں بھی وہی انداز ہے نمونہ کلام:

اب قفس کی زندگی میں بھی سلیقہ آگیا

میرے نالے داخلِ آداب زنداں ہو گئے (۹)

علامہ شمس بریلوی کی شاعری میں بڑے بڑے شعرا یعنی استاد فن شعرا مثلاً میر تقی میر، میر درد، حیدر علی آتش، مومن علی خاں مومن، الطاف حسین حالی، امام احمد رضا خاں بریلوی اور علامہ محمد اقبال جیسے شعرا کی طرز ادا پائی جاتی ہے لیکن میں اپنی رائے یہ دیتا ہوں کہ ان کا شاعرانہ کلام فنی و فکری حوالے سے مومن علی خاں مومن کے زیادہ نزدیک ہے۔ مومن کا شعر ہے:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا  
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا  
اسی بحر میں اور اسی انداز اور اسی تخیل میں علامہ شمس بریلوی کا یہ شعر دیکھیں:  
اور کچھ اس کے سوا ہوش کی روداد نہیں  
تو مجھے یاد ہے کچھ اور مجھے یاد نہیں<sup>(۱۰)</sup>

مولانا کی نثر اور نظم دونوں پر علامہ شمس بریلوی نے کام کیا ہے اسی وجہ سے علامہ شمس بریلوی کی شاعری میں بھی مومن کا سا انداز نظر آتا ہے۔ علامہ شمس بریلوی کے کلام میں تصوف کا بھی بہت عمل دخل ہے۔ اسکی وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے تصوف کی کئی کتابوں کے تراجم کیے ہیں اور مقدمات لکھے ہیں اس کے علاوہ تصوف ان کا پسندیدہ موضوع بھی تھا۔ وہ خود بھی ایک درویش منش انسان تھے وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں آج جو تحقیق کر رہا ہوں یہ صرف بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

فصاحت و بلاغت کلام کا حسن ہے۔ لیکن ان پابندیوں میں رہ کر بھی حسن کلام برقرار رکھنا بہت بڑا کارنامہ ہوتا ہے۔ صنائع اور بدائع کی نقش نگاری، علم بیان کی رنگ آمیزی، فصاحت و بلاغت کے لوازم شاعری کا خاصہ سمجھے جاتے ہیں۔ ہر زبان میں اور ہر صنف سخن میں صنائع بدائع کا استعمال حسن بیان کے لیے ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

کمال ہنرمندی یہ ہے کہ انھیں بر محل استعمال کیا جائے اور یہ خیال رکھا جائے کہ صنعت کا استعمال کلام کی لطافت اور شیرینی کو ختم نہ کر دے اور آمد کہیں آرد میں نہ بدل جائے۔

اقبال کی وفات سے لیکر برصغیر کی آزادی تک اردو شاعری کی بیشتر قوت غیر ملکی تسلط کے خلاف استعمال ہوتی رہی۔ انگریزوں کے خلاف تحریکوں نے قوی رد عمل کو جنم دیا جس سے ٹھہرے ہوئے فکر و فن کو ایک مہمیز میسر آئی۔ یہ دور کلاسیکی اور جدید کی آمیزش کا دور تھا۔

باہر کی دنیا سے رابطہ کیا گیا لیکن تخلیقی عمل میں صریح خامہ کو نوائے سروش بنانے کے لیے غیب سے مضامین

حاصل کرنے کی سعی کی گئی اور ان میں شاعری نے انقی اور عمودی دونوں اطراف میں سفر کیا غزل و نظم کو معنی و وسعت عطا ہوئی اور اردو شاعری میں بعض نئی اصناف کو بھی روشناس کرایا گیا۔ قدیم صنف سخن غزل نے ترقی کے کئی مدارج طے کئے اور یہ علامہ شمس بریلوی کے دور تک ایک مقبول ترین صنف ہی رہی۔ ڈاکٹر انور سدید کے بقول:

آزادی کے بعد اردو غزل کے حوالے سے جو ورثہ ملا اس میں دو اسالیب غزل بہت مقبول تھیں۔ اول کلاسیکی اسلوب جس میں اظہار کے لیے مروجہ علامت و رموز اور روایتی مضامین سے استفادہ کیا گیا۔ دوم ترقی پسند انداز کی غزل جس نے اقبال سے خاطر خواہ استفادہ کیا تھا اور آزادی سے پہلے اونچے آہنگ میں سیاسی نوعیت کے مضامین کو بطور خاص غزل میں پیش کرنے کی طرح ڈالی تھی<sup>(۱۱)</sup>۔

اس طرح آزادی کے بعد غزل نے جو روپ اختیار کیا اس میں علاقائی رنگ اور علاقائی استعارے شامل تھے۔ ترقی پسندوں نے پہلے تو اسے رد کیا لیکن جب یہ دیکھا کہ غزل کے بغیر اردو شاعری کی روح ہی تبدیل ہو رہی ہے تو آہستہ آہستہ غزل کو یوں گلے لگایا جیسے پرانے بچھڑے ہوئے مدتوں بعد ملے ہوں۔ علامہ شمس بریلوی کی غزل گوئی میں بھی اس قسم کے اثرات کی بہت سی مثالیں ہیں۔

وہ گردشِ ایام پر ہر وقت رکھتا ہے نظر  
وہ وقت کی آواز پر ہر دم سراپا گوش ہے<sup>(۱۲)</sup>

حدائقِ بخشش کی فنی اور فکری حیثیت اور محاسن کا عمدگی سے جائزہ ان کا خاص کام ہے۔ محبت و عقیدت اور نقد و نظر کا حامل فرد ہی ایسا کام انجام دے سکتا ہے۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

جناب شمس بریلوی کی صورت میں یہ شخص ہمیں میسر آ گیا اور اس نے کلام رضا کے جملہ محاسن کا احاطہ کرتے ہوئے ایک ایسا مبسوط تجزیاتی مقدمہ فراہم کر دیا جو تنقید و تبصرہ کے باب میں آپ اپنی مثال بن گیا۔<sup>(۱۳)</sup>

امام احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری کے متعلق ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ کہیں تو بالکل سادہ اور کہیں ایسی صورت حال آ جاتی ہے کہ خیالات کی لڑیاں چند الفاظ میں اور کہیں خیالات کا بحر ذخار چند الفاظ میں، کہیں عربی، فارسی، بھاشا اور اردو تمام زبانوں کو ایسے اکٹھا کرتے کہ اس لسانی رویے سے شعر کا آہنگ اور صوتی رویہ بھی بدمزہ نہیں ہوتا اور موسیقیت اور غنائیت بھی مجروح نہیں ہوتی اگر شمس کی طرح محقق ان ساری زبانوں کے رموز و آلائم سے آگاہ ہوگا تو وہ کلام رضا کی معنویت کا درست طریقے سے اندازہ لگا سکتا ہے۔

دور حاضر میں اگر کوئی عربی جانتا ہے تو وہ فارسی کا عالم نہیں ہے اگر کوئی اردو جانتا ہے تو بھاشا کے مزاج سے شناسا نہیں ہے اگر یہ سب جانتا ہے تو مطالعہ کی اتنی گہرائی اور گیرائی نہیں کہ کلام رضا کو سمجھ سکے لیکن شائد قدرت نے علامہ شمس بریلوی کو یہ ساری خوبیاں ہی اس کا عظیم کے لیے عطا کیں تھیں۔

شمس صاحب ایک سنجیدہ انسان تھے اور خاص حس مزاج کے مالک بھی تھے موقع محل پر ایسی شگفتہ اور سنجیدہ و لطیف بات کہتے تھے کہ سامع باغ باغ ہو جاتا تھا۔ مزاج میں خشونت نہیں تھی۔ ہمدرد مخلص اور متواضع انسان تھے شاعرانہ مزاج تھا لیکن اس میں اخلاقیات اور انسان دوستی کا عکس اتنا نمایا تھا کہ تغزل کے تقریباً خلاف لگتے تھے۔ بقول ڈاکٹر نثار احمد:

حضرت شمس صاحب نے موضوعات کا بھرپور احاطہ کیا ہے اور فصاحت کے جملہ پہلوؤں سے کما حقہ تعرض کیا ہے۔<sup>(۱۴)</sup>

علامہ شمس بریلوی ایسے باکمال بزرگ تھے جن سے تاریخ بنتی ہے ایسے ہی بزرگوں سے تاریخ جیتی ہے۔ وہ تحقیق و تدقیق میں بڑی محنت کرتے تھے شعر و شاعری، تحقیق و تنقید، تصنیف و تالیف اور تدوین و ترتیب سب میں یگانہ روزگار تھے۔ وہ یادگار اسلاف تھے، علم رضا اور تحقیقات رضا انکا شعار و معیار تھا۔ انکی ہر تخلیق معلومات کا خزانہ، اسلوب بیاں کا شاہکار اور تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ سب ان کی تجربہ علمی اور مہارت فنی کا مظہر ہے۔ زبان و ادب کا یہ سرمایہ افتخار اردو ادب کا ایک نابغہ روزگار اور حضرت شمس باوقار اپنے خالق حقیقی کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے ۱۲ مارچ ۱۹۹۷ء، بروز بدھ رات ۹ بجے پی این ایس شفا، کراچی میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حضرت کی اپنی ایک فارسی رباعی اس موضوع پر ہے:

در راہ بقا باغ و صحرا بگذشت تلخی و خوشی و زشت و زیبا بگذشت  
ہیہات کے بیشتر عمر فانی بے طاعت ایزد تعالیٰ بگذشت<sup>(۱۵)</sup>

آج بھی سخی حسن قبرستان کراچی میں ایک پیڑ نے آپ کی قبر پر سایہ کیا ہوا ہے اور پتھر پہ یہ شعر کندہ ہے جو حضرت شمس کا اپنا ہی ہے:

وہ جو اک مقدمہ نگار تھا، وہ جو اک ادیب شہیر تھا  
جسے کہتے تھے شمس بریلوی، یہ اُسی کی لوح مزار ہے<sup>(۱۶)</sup>

علامہ شمس بریلوی کے شاگرد مولانا ابراہیم خوشتر صدیقی نے آپ کی وفات پر مادہ تاریخ اخذ کیے:

شمس بے داغ

۱۴۱۷ھ

شمس ذی وقار

۱۴۱۷ھ

طارق سلطان پوری نے بھی چند مادہ تاریخ اخذ کیے ہیں:

خاصہ فکر رضا

۱۹۹۷ء

عالم دولت رضویت

۱۹۹۷ء

حواشی

- ۱۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ”ملفوظات شمس“، (کراچی: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۷
- ۲۔ اسماعیل رضا ذبیح، ”جہان شمس“، (ایضاً، ۱۹۹۲ء)، ص ۴۹، بار اول
- ۳۔ علامہ شمس بریلوی، ”حاشیہ نگاری کی ابتدا“، مشمولہ ”امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری“، جلد دوم، (ایضاً، سندھ ندراد)، ص ۵۸
- ۴۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، ”عوارف المعارف“، مترجم شمس بریلوی، (کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، ۱۹۷۷ء)، ص اختتامیہ، بار اول
- ۵۔ اسماعیل رضا ذبیح، ”جہان شمس“، مجلہ بالا، ص ۲۳
- ۶۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ”ملفوظات شمس“، (کراچی: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، ۲۰۰۳ء)، ص ۵۱، بار اول
- ۷۔ اسماعیل رضا ذبیح، ”جہان شمس“، مجلہ بالا، ص ۵۳
- ۸۔ ایضاً، ص ۶۷
- ۹۔ ایضاً، ص ۶۹
- ۱۰۔ ایضاً، ص ۷۱
- ۱۱۔ ڈاکٹر انور سدید، ”اردو ادب کی مختصر تاریخ“، (لاہور: اے ایچ پبلشرز، ۱۹۹۶ء)، ص ۴۶، بار اول
- ۱۲۔ اسماعیل رضا ذبیح، ”جہان شمس“، مجلہ بالا، ص ۶۹
- ۱۳۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ”کلام رضا کا تحقیقی جائزہ“، مشمولہ ”جہان شمس“، مجلہ بالا، ص ۱۷۲
- ۱۴۔ پروفیسر ثار احمد، ”تاثرات“، مشمولہ ”جہان شمس“، ایضاً، ص ۱۸۹
- ۱۵۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ”علامہ شمس بریلوی“، (ایضاً، ۱۹۹۸ء)، ص ۲۰
- ۱۶۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ایضاً

مآخذ

- ۱۔ احمد، ثار، پروفیسر، ”تاثرات“، مشمولہ ”جہان شمس“، ایضاً
- ۲۔ بریلوی، شمس، علامہ، ”حاشیہ نگاری کی ابتدا“، مشمولہ ”امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری“، جلد دوم، کراچی: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، سندھ ندراد
- ۳۔ ذبیح، اسماعیل رضا، ”جہان شمس“، کراچی: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، ۱۹۹۲ء، بار اول

- ۴۔ سدید، انور، ڈاکٹر، ”اردو ادب کی مختصر تاریخ“، لاہور: اے ایچ پبلشرز، ۱۹۹۶ء، بار اول
- ۵۔ سہروردی، شہاب الدین، شیخ، ”عوارف المعارف“، مترجم شمس بریلوی، کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، ۱۹۷۷ء، بار اول
- ۶۔ فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر، ”کلام رضا کا تحقیقی جائزہ“، مشمولہ ”جہان شمس“، محولہ بالا
- ۷۔ قادری، مجید اللہ، ڈاکٹر، ”علامہ شمس بریلوی“، کراچی: ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، ۱۹۹۸ء
- ۸۔ \_\_\_\_\_، (مرتب) ”ملفوظات شمس“، \_\_\_\_\_، ۲۰۰۳ء بار اول

